اپنے آپ کو اس عدلِ اجتماعی کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شاندار ہدیۂ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اپنی تالیف "A Concise History of the World" میں آنحضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے کچھ حصّے نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا:

''انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے' چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں' لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد (ﷺ) نے''۔

(نوٹ: ایچ جی ویلز کی یہ عبارت اس کتاب کے نئے ایڈیٹروں نے تازہ ایڈیشن سے حذف کر دی ہے' لیکن بڑی لائبریریوں میں وہ پرانے ایڈیشن دستیاب ہیں جن میں یہ الفاظ موجود ہیں!)

ساتھ ہی شدید حسرت کے ساتھ یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جا رہا کہ معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی حصولِ پاکستان کے اصل مقصد کی وضاحت کے لئے یہی الفاظ استعمال کئے تھے کہ: ''ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہد حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں''۔ اور ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے بھی اپنی اس پیشینگوئی کے ساتھ کہ ''ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام تقدیرِ الٰہی ہے'' یہی فرمایا تھا کہ ''اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے چہرۂ روشن پر جو پردے عرب ملوکیت کے دَور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل روئے انور دنیا کو دکھا سکیں!''...

لیکن افسوس صد افسوس' کہ قیامِ پاکستان کے نصف صدی بعد بھی ہنوز روزِ اوّل والا معاملہ ہے اور اس سمت میں کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی... کاش! اے کاش! کہ ع ''کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!'' کے مصداق ملت اسلامیہ پاکستان اب بھی اپنے اصل ہدف کی طرف بڑھنے کا عزم مصمم کر لے... آمین! وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ!

پاکستان میں سماجی انصاف کا اوّلین تقاضا

ایک نیا اور منصفانہ بندوبست اراضی

جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' سماجی انصاف کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اس کے متعدد پہلو ہیں' جن کے اپنے اپنے جداگانہ تقاضے ہیں۔

مثلاً خالص سماجی اور معاشرتی سطح پر انصاف کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کو پیدائشی طور پر مساوی تسلیم کیا جائے اور ان کے مابین اونچ نیچ کا کوئی فرق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز اُن چیزوں کی بنیاد پر نہ ہو جو انہیں پیدائشی طور پر ملتی ہیں' لہٰذا ان کے ضمن میں کسی انتخاب و اختیار یا کسب و سعی کا سوال نہیں ہوتا' جیسے نسل' رنگ اور جنس۔ گویا انسانوں کے مابین کوئی فرق و تفاوت اور درجہ بندی صرف ان امور کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جن میں اُن کے کسب و اختیار اور سعی و جہد کو دخل حاصل ہے' جیسے نظریات و عقائد' یا سیرت و کردار' یا علم و ہنر وغیرہ۔ پھر یہ درجہ بندی بھی خالص انتظامی حیثیت کی حامل ہو گی' شرفِ انسانیت کو پوری نوعِ انسانی کی مشترکہ اور مساویانہ متاع کی حیثیت حاصل رہے گی' اور اس اعتبار سے تمام انسان ہر صورت میں بالکل مساوی اور برابر متصور ہوں گے!

اسی طرح سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔ جیسے کہ امیر المؤمنین اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کے فاتح اور گورنر حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مکان کے آگے ڈیوڑھی بنانے اور دربان کھڑا کرنے پر سرزنش کے طور پر تحریر فرمایا تھا: ''اے سعدؓ! لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا' تم نے انہیں اپنا غلام کب سے بنا لیا؟'' —— پھر اسی اصول کا ایک منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ افراد کی آزادی پر صرف وہ

قدغنیں اور پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں جو یا تو ان کے خالق اور مالک نے عائد کی ہوں یا ان کے طے کرنے میں ان کی اپنی رائے اور مشورے کو بھی دخل حاصل ہو۔ اور اس طرح ''حق خود اختیاری'' کا تقاضا پورا ہو جائے! الغرض سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ع ''تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے!'' کے مطابق انسانوں کے مابین حاکم و محکوم اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں ''مستکبرین'' اور ''مستضعفین'' کی تقسیم و تفریق باقی نہ رہے بلکہ سیاسی اعتبار سے کامل مساوات قائم ہو جائے اور حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ کے مطابق ''سب انسان اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔''

سماجی انصاف کے یہ دونوں پہلو جو اوپر بیان ہوئے نہایت اہم ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل بنیادی حیثیت اور اساسی اہمیت ان ہی کو حاصل ہے۔ مزید برآں ''مساوات'' کے لفظ کا صحیح اور کامل اطلاق بھی صرف ان ہی دونوں سطحوں پر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد حاضر میں ان دونوں کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے اور مشین کی ایجاد کے بعد سماجی انصاف کے ضمن میں اوّلین اہمیت معاشی عدل اور اقتصادی انصاف کو حاصل ہو گئی ہے۔ چنانچہ تاریخ انسانی کے موجودہ دَور کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اصلاً معاشیات اور اقتصادیات کا دَور ہے اور عہد حاضر کا انسان فی الواقع ''معاشی حیوان'' بلکہ صحیح تر الفاظ میں مشین کے مانند صرف ایک ''ذریعۂ پیداوار'' بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں تک کہ آج عظیم ترین سلطنتوں اور ''سپر پاورز'' کا درجہ رکھنے والی حکومتوں کی بلند ترین سطح کی پالیسیاں بھی بنیادی طور پر معاشی مفادات اور اقتصادی مصلحتوں ہی کی بنیاد پر طے ہوتی ہیں —— لہٰذا عہد حاضر میں سماجی انصاف کا اوّلین اور اہم ترین تقاضا معاشی عدل اور اقتصادی انصاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی معاشرے میں معاشی عدل و قسط کا فقدان ہو اور اقتصادی میدان میں ظلم اور استحصال کی بھٹی گرم ہو اور انسان قرآن کی اصطلاح میں ''مترفین'' اور ''محرومین'' کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہوں تو وہاں خواہ ''حریت' اخوت اور

مساوات'' کے کتنے ہی راگ الاپے جائیں یا وعظ کہے جائیں' اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر جمہوریت کے کیسے ہی سوانگ رچا لئے جائیں' حقیقت کے اعتبار سے وہاں کا پورا جتماعی نظام ''مراعات یافتہ طبقات کی آمریت'' کی صورت اختیار کر لے گا اور سماجی و معاشرتی اور سیاسی و ریاستی انصاف کے تمام دعوے باطل اور کھوکھلے قرار پائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال مرحوم نے مغربی جمہوریت کا تجزیہ یا پوسٹ مارٹم ان تیکھے ہی نہیں تلخ الفاظ میں کیا ہے ؎

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر!

اور ؎

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

اور واقعہ یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ محض لفاظی کے مظہر ہیں نہ مبالغہ آرائی کے' بلکہ ؎

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

کے مصداق صد فی صد حقیقت بنی اور صدق بیانی پر مبنی ہیں۔ اس لئے کہ وہاں سرمایہ دارانہ معیشت اور سود' جوئے اور سٹے پر مبنی اقتصادی نظام نے کروڑ پتی اور ارب پتی سرمایہ داروں کا ایک محدود طبقہ پیدا کر دیا ہے اور ملکی سیاست ان کی زر خرید لونڈی بن کر رہ گئی ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس نے اس محدود طبقے کے مشغلے اور فٹ بال یا والی بال کے سے کھیل کی صورت اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ یہ وہ مکروہ اور گھناؤنی حقیقت ہے جس پر ''بنیادی انسانی حقوق'' اور ''حقوقِ شہریت'' کا رنگ و روغن مَل دیا گیا ہے' اور حریت فکر و عمل' آزادیٔ اظہار رائے اور بالغ رائے دہی پر مبنی ''جمہوریت'' کے حسین نقش و نگار بنا دیئے گئے ہیں!

چنانچہ اسی گندم نمائی اور جو فروشی کا ردّ عمل تھا جو کمیونزم کی صورت میں ظاہر ہوا۔

لیکن چونکہ اس نے ''ردّعمل'' کی فطری انتہاپسندی کے جوش میں انفرادی ملکیت کی کامل نفی کر دی جس سے انسان کی حیوانی جبلت کے ایک اہم تقاضے کی نفی ہوگئی' لہٰذا وہ بہت جلد ناکام ہو کر ع ''خوش درخشید' ولے شعلۂ مستعجل بود!'' کی نمایاں مثال بن کر رہ گیا۔اس لئے کہ شیخ سعدیؒ کے اس قول کے مطابق کہ ؎

''آدمی زادہ طرفہ معجون است
از فرشتہ سرشتہ وز حیوان!''

انسانی شخصیت میں جہاں ایک فرشتہ خصلت روحانی عنصر بھی شامل ہے' وہاں جملہ حیوانی جبلتوں کا حامل ''حیوانِ کامل'' بھی موجود ہے' جس کے کسی اساسی تقاضے کی کلی نفی فطرت سے جنگ کے مترادف ہے' جس میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں! بہرحال کمیونزم کی اس شکست کے نتیجے میں اس وقت مغربی سرمایہ دارانہ جمہوریت کا عفریت فاتحانہ انداز کی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی صورت میں عالمی غلبے کے ذریعے پورے عالم انسانی کو اپنے استحصالی جال میں جکڑنے کے لئے فیصلہ کن اقدام کے لئے پر تول رہا ہے! اور اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ بالآخر تو ''جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ'' کی الٰہی تقدیر اور خدائی فیصلے ہی کا ظہور ہوگا اور تمام روئے ارضی پر ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' کا نظامِ عدل وقسط ہی قائم ہوگا' تاہم فی الوقت پوری دنیا میں ایسی کوئی طاقت نظر نہیں آ رہی جو اِس شیطانی منصوبے کی راہ میں فیصلہ کن طور پر مزاحم ہو سکے۔لیکن چونکہ علامہ اقبال کی ''اطلاع'' کے مطابق تو اب سے نصف صدی قبل ہی ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کی قرارداد یہ تھی کہ ؎

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے مزدکیت فتنۂ فردا نہیں' اسلام ہے!

لہٰذا اس کے باوجود کہ ابھی پوری زمین کے کسی ایک انچ رقبے پر بھی کہیں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم نہیں ہو سکا' اور سماجی انصاف کا اسلامی تصور تا حال ''مسلمانی در کتاب'' کے مصداق یا تو صرف طاقِ تصور و تخیل کی زینت ہے' یا زیادہ سے زیادہ صرف لکھے ہوئے یا بولے ہوئے حروف و الفاظ کی صورت میں موجود ہے' عالمی ذرائع

ابلاغ کے شیطانی آلہ ہائے نشر و اشاعت نے حفظ ماتقدم کے طور پر ''اسلامک فنڈامنٹلزم'' کی دہائی نہایت زور و شور کے ساتھ دے رکھی ہے جس کے متوقع یا ''قابل حذر'' مراکز کی فہرست میں پاکستان کا نام بھی شامل ہے! (اور اگرچہ پاکستان کے عام انتخابات کے نتائج سے عالمی شیطانی قوتوں کو کم از کم وقتی طور پر کچھ اطمینان حاصل ہو گیا ہے' تاہم جو لوگ ''باطن ایام'' پر نگاہ رکھتے ہیں' اور ع ''سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!'' کے مصداق قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی دو آنکھوں سے حقائق باطنی کو دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں' وہ جانتے ہیں کہ ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' کی صورت میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یعنی سماجی انصاف کے کامل اور متوازن نظام کے قیام کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت ان شاء اللہ اسی سلطنت خداداد پاکستان اور اس سے ملحق سرزمین افغانستان کو حاصل ہوگی جسے دَورِ نبویؐ میں خراسان کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ واللہ اعلم!!)

بہر حال اس عالمی تناظر کے پیش نظر اور اس زمان و مکان کے فریم ورک کے پس منظر میں پاکستان کے معروضی حالات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے تو یہ حقیقت کبریٰ فوری طور پر اظہر من الشّمس کی طرح سامنے آتی ہے کہ اگرچہ مغربی سرمایہ دارانہ معیشت اور سود' جوئے اور سٹے کے تانے بانے والا مغربی اقتصادی نظام بھی ہمارے ملک میں بدترین اور مکروہ ترین صورت میں رائج ہے' جس کے نتیجے میں یہاں بھی چند ہزار خاندان ایسے وجود میں آ چکے ہیں جن پر قرآنی اصطلاح ''مترفین'' کا اطلاق کیا جا سکتا ہے' جو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۶ اور ۲۷ کے مطابق فسق و فجور' اسراف و تبذیر اور عیاشی و فحاشی کی صورت میں اپنا روایتی کردار ''باحسن وجوہ'' ادا کر رہے ہیں (یعنی: ''جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس کے مترفین کو چھوٹ دے دیتے ہیں کہ اس میں فسق و فجور کا بازار گرم کر دیں۔ اس کے نتیجے میں وہ بستی اللہ کے قانونِ عذاب کی زد میں آ جاتی ہے۔ چنانچہ ہم اسے نیست و نابود کر دیتے ہیں!'' اور ''یقیناً محض نام و نمود اور نمائش کے لئے دولت کو اڑانے والے شیطانوں کے بھائی

ہیں!“)——— تاہم کوآپریٹو سکینڈلوں اور دیگر مالیاتی اداروں کی لوٹ کھسوٹ سے قطع نظر، مجموعی نسبت و تناسب کے اعتبار سے تاحال پاکستانی معاشرے میں سرمایہ دارانہ طرزِ استحصال کے مقابلے میں زمیندارانہ ظلم و جور اور جاگیردارانہ زراعت اور مزارعت کے ”طریق واردات“ سے ہونے والے جبر و استحصال کی مقدار بہت زیادہ ہے——— لہٰذا یہاں کسی ”سماجی انصاف“ کا کوئی تصور تک نہیں کیا جا سکتا جب تک جاگیرداری اور زمین داری کے موجودہ نظام کو ختم کر کے ایک بالکل نئے اور منصفانہ بندوبست اراضی کی صورت پیدا نہ کی جائے۔ اس لئے کہ جب تک یہ نظام موجود ہے اور ستر پچھتر فیصد انسان جاگیرداروں، وڈیروں، بڑے زمین داروں اور قبائلی سرداروں کے زیرِ نگین ہیں دستورِ مملکت میں درج حقوقِ شہریت بالکل بے معنی ہیں (اس لئے کہ ان سے بالفعل صرف بڑے شہروں میں آباد اقل قلیل اقلیت ہی فائدہ اٹھا سکتی ہے!) اور نام نہاد بالغ رائے دہی کی اساس پر خواہ کتنے ہی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کا ڈھونگ رچا لیا جائے ان پر مبنی جمہوریت فی الحقیقت جاگیرداروں کی آمریت کے سوا کچھ نہیں ہو گی!

چنانچہ یہ اسی عریاں حقیقت کا ادراک و اعتراف تھا جس کے نتیجے میں یہاں دو بار نام نہاد ”زرعی اصلاحات“ کا ڈول ڈالا گیا۔ لیکن چونکہ ”قوّت کا اصل سرچشمہ“ جاگیردار ہی تھے، اور ظاہر ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اسی شاخ کو کاٹ ڈالیں گے جس پر ان کا اپنا آشیانہ اور ان کے مفادات و مراعات کا کامل دارومدار ہے، لہٰذا دونوں بار کی نام نہاد ”اصلاحات“ سنار کی کھٹ کھٹ سے زیادہ ثابت نہیں ہوئیں، چنانچہ جاگیردارانہ اور زمیندارانہ استحصالی نظام، علیٰ حالہ اور جوں کا توں قائم ہے، جس کے نتیجے میں ع ”الیکشن، ممبری، کرسی، صدارت“ کا پورا سلسلہ، صرف ایک سرمایہ دار خاندان کے علاوہ کلیتہً جاگیرداروں، وڈیروں اور قبائلی سرداروں کا میوزیکل چیئرز کا کھیل بنا ہوا ہے۔ اور اس کے باوجود کہ عوام کے ہاتھوں میں ”ووٹ“ نام کی ایک شے موجود ہے، درحقیقت اور فی الاصل ان کی حیثیت وہی ہے جو میر کے اس شعر میں بیان

ہوئی کہ ؎

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کرے ہیں' ہم کو عبث بدنام کیا!

پاکستان کی چھیالیس سالہ تاریخ کے دوران میں تین اشخاص ایسے برسر اقتدار آئے جو اگر چاہتے تو پاکستانی معاشرے سے اس لعنت کا خاتمہ کر سکتے تھے' اس لئے کہ وہ فی الواقع اس پوزیشن میں تھے کہ اگر دل سے چاہتے تو ظلم و استحصال کے اس مکروہ ترین نظام کی جڑوں پر کاری وار کر کے سماجی انصاف کی راہ ہموار کر دیتے۔ ان میں سے دو تو فوجی حکمران تھے' یعنی مرحوم صدر ایوب خان اور مرحوم صدر ضیاء الحق' جن کے لئے اس میدان میں کوئی فیصلہ کن اقدام اس اعتبار سے بھی آسان تھا کہ فوجی حکمرانوں کے پاس اختیارات نہایت وسیع' بلکہ بعض اوقات ''لامحدود'' ہوتے ہیں' اور ذاتی طور پر اس لئے مزید آسان تر تھا کہ وہ دونوں نہ جاگیردار تھے نہ بڑے زمین دار' اور تیسرے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو تھے جو اگرچہ خود بڑے جاگیردار تھے لیکن ایک ایسی عوامی تحریک کے نتیجے میں برسر اقتدار آئے تھے جو سوشلزم کے نعرے کی بنیاد پر چلائی گئی تھی۔ مزید برآں' ان کے اقتدار کا اصل دَور بھی ''مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر'' ہی کی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ لیکن افسوس' صد افسوس کہ یہ تینوں اس معاملے میں کسی جرأت رندانہ سے کام نہیں لے سکے۔

ان میں سے جہاں تک سابق صدر ایوب خان کا تعلق ہے' ان کے دَور میں جو زرعی اصلاحات ہوئیں ان سے جاگیردارانہ اور زمیندارانہ استحصال کو تو کوئی نمایاں ضعف نہیں پہنچا' البتہ ملک و قوم کی بہی خواہی میں انہوں نے معاشرے کو صنعتی ترقی کی جس راہ پر ڈالا وہ چونکہ مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت ہی کی نقالی کی حیثیت رکھتی تھی لہٰذا اس سے جاگیردارانہ ظلم و جور پر مستزاد سود' جوئے اور سٹے پر مبنی سرمایہ دارانہ استحصال کا اضافہ ہو گیا۔

البتہ ایوب خان مرحوم کے مقابلے میں ضیاء الحق مرحوم کا معاملہ اس اعتبار سے

زیادہ قابل افسوس ہے کہ انہوں نے تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے عروج کے موقع پر زمامِ حکومت ہاتھ میں لی تھی۔ چنانچہ اس وقت مسلمانانِ پاکستان کا دینی و مذہبی جذبہ تحریک پاکستان کے آخری ایام کے مقابلے میں بھی کہیں زیادہ قوی تھا۔ اس طرح گویا انہیں تاریخ نے ایک عظیم موقع عطا کیا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقام اور مرتبے تک رسائی حاصل کر لیتے۔ اور یاد ہوگا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے، جنہیں پانچواں خلیفۂ راشد تسلیم کیا جاتا ہے، عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ ان کے پیش روحکمرانوں نے جو جاگیریں اپنے رشتہ داروں یا خدمت گاروں کو عطا کی تھیں ان سب کی دستاویزات منگوا کر پھاڑ ڈالیں اور اس طرح اس جاگیردارانہ نظام کی جڑیں ایک بار تو بالکل ہی کاٹ ڈالیں جو خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد اس دَورِ ملوکیت میں جڑ پکڑنے لگا تھا جسے نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارک (احمد بن حنبلؒ عن نعمان بن بشیرؓ) میں ''کاٹ کھانے والی'' یعنی ظالم و جابر حکومت سے تعبیر فرمایا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ مرحوم جنرل ضیاء الحق پاکستان کے موجودہ جاگیردارانہ نظام کی جڑیں تو کیا کاٹتے، میری اس تجویز پر بھی عمل نہ کر سکے (جو میں نے ان کی مجلس شوریٰ میں پیش کی تھی) کہ جید علماء دین اور ماہرین بندوبست اراضی کا ایک کمیشن قائم کیا جائے جو پاکستان کے موجودہ نظامِ اراضی پر تنقیدی اور تحقیقی نظر ڈال کر شریعت اسلامی کے اصل مقاصد اور روحِ عصر کے اہم تقاضوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے لئے ایک ایسا ''نیا بندوبست اراضی'' تجویز کرے جس سے ملک وقوم کو سماجی انصاف سے ہمکنار کیا جا سکے!

اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو بھی تاریخ نے ایک عظیم موقع عطا فرمایا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو پاکستان کے ماؤزے تنگ بن سکتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا کر عوام کو اپنے گرد جمع کیا تھا۔ اور اگرچہ مذہبی جماعتوں کی اکثریت نے ان کی مخالفت کی تھی، لیکن ایک اہم اور مؤثر و منظّم مذہبی جماعت یعنی جمعیت علماءِ اسلام نے ان کا ساتھ بھی دیا تھا۔ (واضح رہے کہ اُس وقت جمعیت علماء اسلام آج

کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقت ور اور نسبتاً زیادہ وسیع اور عمیق سیاسی اثر و رسوخ کی حامل تھی!) اور ان سطور کے حقیر و عاجز راقم نے بھی ''میثاق'' کے ادارتی صفحات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے جو ''اسلامی جمہوریت'' کے تو دل و جان سے قائل ہی نہیں فدائی تھے' لیکن ''اسلامی سوشلزم'' کو کفر قرار دیتے تھے' مفصل تحریریں شائع کی تھیں کہ اگرچہ اسلامی نظام بجائے خود ایک حیاتیاتی وحدت ہے جس میں کسی دوسرے ازم کی پیوند کاری نہیں ہو سکتی' چنانچہ اس کی اپنی جمہوریت اور شورائیت اور اسی طرح نظامِ عدل معاشی ہے' تاہم اگر اسلامی جمہوریت کی اصطلاح درست ہے تو یقیناً اسلامی سوشلزم کی اصطلاح بھی صحیح اور مطابق اسلام ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ذوالفقار علی بھٹو بھی اپنی جاگیردارانہ کھال یا خول سے باہر نہ آ سکے۔ چنانچہ انہوں نے ملوں اور کارخانوں' یہاں تک کہ آٹے اور چاول کے چھوٹے چھوٹے صنعتی یونٹوں کو تو نیشنلائز کیا' لیکن زمین کو ''قومیانے'' کی ہمت نہ کر سکے جو ہماری قومی معیشت کی اصل اساس اور ہمارے معاشرے میں ظلم و جور اور جبر و استحصال کی سب سے بڑی بنیاد ہے!

بہرحال آج (۱) جبکہ پاکستانی سیاست کی گاڑی کے دونوں پہیے بھی کسی حد تک روایتی پٹڑی پر چڑھ گئے ہیں' چنانچہ ایک جانب حکومت بھی خاصی مستحکم ہے تو دوسری جانب اپوزیشن بھی خاصی مضبوط ہے' مزید برآں ایک جانب ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی' جو اپنے والد کی نظریاتی وراثت کی دعوے دار ہے' وزیراعظم ہے' تو دوسری جانب ایک ایسا شخص صدرِ مملکت کے عہدے پر فائز ہے جو نہ صرف یہ کہ عوامی سیاست کی سختیاں جھیل کر' اور سیاسی وابستگی میں پائیداری اور استقلال کا ثبوت دے کر اس مقام تک پہنچا ہے' بلکہ شرافت اور لیاقت کے ساتھ ساتھ ذاتی نیکی اور سادگی ہی نہیں' مشرقی اور مذہبی مزاج کے حامل ہونے کی شہرت رکھتا ہے' یہ پھر ایک سنہری موقع ہے کہ پاکستانی معاشرے سے جبر' ظلم اور استحصال کی سب سے بڑی بنیاد کو منہدم کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کیا جائے ــــــ اور جاگیرداری اور زمینداری کے موجودہ نظام کا ایک

(۱) واضح رہے کہ یہ تحریر اواخر ۱۹۹۳ء کی ہے۔